ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY

AIOU LIBRARY aioulibrary.com

Name:

Registration No.:

Course Code: 1973

Program: BS Islamic Studies (Spec. Qur'an & Tafsir)

Semester: Autumn 2026

WhatsApp Orders: +92 324 5836626

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ — شعبہ قرآن وتفسیر

کورس: اصولِ تحقیق (1973)

سطح: بی ایس علوم اسلامیہ (تخصص قرآن وتفسیر)

سمسٹر: خزاں 2026ء

امتحانی مشق نمبر 1 (یونٹ نمبر: 1 تا 5)

کل نمبر: 100 — کامیابی کے نمبر: 50

AIOU LIBRARY aioulibrary.com

Reference &For Study — SOLVED ASSIGNMENT GUIDE

نوٹ: یہ حل شدہ گائیڈ صرف مطالعہ اور رہنمائی کے لیے تیار کی گئی ہے۔ طلبہ سے گزارش ہے کہ وہ نصابی کتاب کے متعلقہ یونٹس کا مطالعہ کر کے مفاہیم کو اچھی طرح سمجھیں اور امتحانی مشق اپنے الفاظ اور اپنے اندازِ تحریر میں لکھیں، کیونکہ ہو بہو نقل کی گئی مشق قواعد کے مطابق قابلِ قبول نہیں ہوتی۔ اس گائیڈ کے جوابات اصولِ تحقیق کے عمومی اور مسلمہ علمی مباحث کی روشنی میں مرتب کیے گئے ہیں؛ کسی مخصوص نصابی نکتے کی حتمی تصدیق کے لیے نصابی کتاب اور اپنے نگران سے رجوع ضرور کریں۔

طریقہ کار: ہر جواب تعارف، ذیلی عنوانات کے تحت مفصل بحث اور اختتام پر مشتمل ہے۔ جہاں سوال کا تقاضا ہو وہاں جدول اور خاکہ بھی دیا گیا ہے تاکہ طالب علم نکتے کو منظم انداز میں یاد کر سکے اور امتحان و مشق میں بہتر ترتیب کے ساتھ لکھ سکے۔

کورس کا تعارف اور اس مشق کا جائزہ

اصولِ تحقیق BS علوم اسلامیہ (تخصص قرآن و تفسیر) کا وہ بنیادی کورس ہے جو طالب علم کو علمی تحقیق کے اصول، طریقہ کار اور اخلاقیات سے روشناس کراتا ہے۔ اس کی ضرورت اس لیے بھی بڑھ جاتی ہے کہ BS پروگرام کے آخری مراحل میں طالب علم کو تحقیقی پروجیکٹ مکمل کرنا ہوتا ہے، اور بغیر اصولوں کی سمجھ کے وہ پروجیکٹ محض رسمی کارروائی بن کر رہ جاتا ہے۔ امتحانی مشق نمبر 1 یونٹ 1 تا 5 پر مشتمل ہے جس میں پانچ سوالات دیے گئے ہیں: قبولِ روایت کے درایتی معیارات، تحقیق کے مقاصد و اقسام، خصائصِ تحقیق، تحقیق کے ابتدائی نکات پر مختصر نوٹس، اور بی ایس تحقیقی پروجیکٹ کے مراحل۔ یہ سوالات ترتیب سے تحقیق کی فکری بنیادوں سے عملی تیاری تک کا سفر طے کرتے ہیں۔ اس گائیڈ میں ہر سوال کا جواب تعارف، ذیلی عنوانات اور اختتام کے ساتھ دیا گیا ہے اور جہاں مناسب ہوا جدول و خاکے سے وضاحت بھی کی گئی ہے، تاکہ طالب علم مفاہیم کو سمجھ کر اپنے الفاظ میں لکھ سکے۔

سوال نمبر 1 (20 نمبر)

سوال: قبولِ روایت کے درایتی معیارات مفصلاً تحریر کیجیے۔

تعارف

اسلامی علوم کی بنیاد روایت پر ہے۔ قرآن مجید کی تفسیر ہو، حدیث کی تشریح ہو یا تاریخ و سیرت کا کوئی باب، ہر جگہ ہمیں ماضی سے منتقل ہونے والی خبروں اور روایات ہی سے واسطہ پڑتا ہے۔ مگر محدثین و محققین نے کبھی یہ اصول قبول نہیں کیا کہ جو بات کسی سے سن لی جائے اسے بغیر پرکھے قبول کر لیا جائے، کیونکہ روایات میں صحت و سقم، درست و غلط اور اصل و اضافہ شدہ سب طرح کا مواد شامل ہو سکتا ہے۔ اسی خطرے سے بچنے کے لیے علمائے اسلام نے روایت کو قبول کرنے کے دو بڑے نظام وضع کیے: ایک روایتی نظام، جس میں سند یعنی راویوں کی زنجیر، ان کی عدالت و ضبط اور اتصالِ سند کی جانچ ہوتی ہے، اور دوسرا درایتی نظام، جس میں متن یعنی خود روایت کے مضمون کو عقل، قرآن، سنتِ ثابتہ، تاریخی حقائق اور زبان و اسلوب کی کسوٹیوں پر پرکھا جاتا ہے۔ درایت کا لفظی معنی غور و فکر اور گہرائی سے سمجھنا ہے، اور درایتی معیارات سے مراد وہ اصول ہیں جن

کی روشنی میں فیصلہ کیا جاتا ہے کہ روایت کا متن اپنے مضمون کے اعتبار سے قابلِ قبول ہے یا نہیں۔ اس جواب میں انہی معیارات کو تفصیل سے بیان کیا جائے گا، کیونکہ بسا اوقات سند بظاہر اچھی ہونے کے باوجود متن کسی بڑی علمی حقیقت سے ٹکراتا ہے، اور ایسی صورت میں درایت ہی محقق کو گمراہی سے بچاتی ہے۔

روایت و درایت: مفاہیم کی وضاحت

روایت کا سادہ معنی خبر کو آگے نقل کرنا ہے، اور علمِ روایت میں سند کی جانچ مرکزی حیثیت رکھتی ہے: راوی کون تھا، اس کا اخلاق و دیانت کیسی تھی، حافظہ کتنا مضبوط تھا، وہ اپنے استاد سے ملا بھی تھا یا نہیں، اور روایت بیان کرتے وقت اس نے الفاظ بعینہٖ نقل کیے یا مفہوم اپنے الفاظ میں ادا کیا۔ اس کے مقابلے میں درایت متن پر غور کا نام ہے۔ محدثین کی اصطلاح میں وہ روایت جو قرآن، ثابت سنت، اجماع، قطعی تاریخی واقعات یا عقلِ سلیم کے خلاف ہو، خواہ اس کے راوی بظاہر ثقہ ہوں، وہ درایت کے پیمانے پر مقبول نہیں ہوتی، کیونکہ ثقہ راوی سے بھی وہم، سہو اور الفاظ کی آمیزش ممکن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قدیم محدثین متن پر تنقید کو عللِ حدیث کا اہم ترین باب سمجھتے تھے اور بہت سی روایات کو شذوذ و نکارت کی بنیاد پر رد کر دیتے تھے۔ طالب علم کو یہ نکتہ اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ درایت سند کی نفی نہیں کرتی، بلکہ سند کے ساتھ مل کر قبولیت کا مکمل نظام بناتی ہے: سند روایت کے آنے کا راستہ بتاتی ہے اور درایت اس کے مضمون کی جانچ کرتی ہے۔ دونوں میں سے کسی ایک کو نظر انداز کرنا تحقیق کو نامکمل بنا دیتا ہے۔

پہلا معیار: قرآن مجید سے مطابقت

درایتی معیارات میں سب سے اونچا اور سب سے پہلا معیار قرآن مجید ہے۔ قرآن قطعی الثبوت کتاب ہے؛ اس کی حفاظت کی ذمہ داری خود اللہ تعالیٰ نے لی ہے اور پوری امت کے تواتر سے یہ آج تک محفوظ ہے، اس لیے کوئی روایت جو قرآن کی کسی محکم آیت کے صریح مفہوم کے خلاف ہو، قبول نہیں کی جا سکتی۔ اصول یہ ہے کہ اگر روایت اور قرآن میں بظاہر تعارض نظر آئے تو سب سے پہلے تطبیق اور جمع کی کوشش کی جاتی ہے، مثلاً عام کو خاص سے، مطلق کو مقید سے اور ناسخ و منسوخ کی صورت میں صحیح ترتیب سے سمجھا جاتا ہے۔ اگر تطبیق کی کوئی معقول صورت نہ نکلے تو قرآن کو ترجیح دی جائے گی، کیونکہ جو چیز قطعی ہے وہ ظنی کے مقابلے میں مقدم ہوتی ہے۔ اس معیار کی اہمیت یہ ہے کہ بہت سی موضوع اور بے بنیاد روایات اسی کسوٹی پر کھری نہیں اترتیں؛ مثال کے طور پر وہ روایات جو قرآن کے بیان کردہ عقیدے، مثلاً انبیا کی عصمت، عدلِ الٰہی یا آخرت کے

اصولوں سے ٹکراتی ہوں، محدثین کے نزدیک اسی بنیاد پر نا قابلِ قبول قرار پاتی ہیں۔ تاہم طالب علم کے لیے احتیاط یہ ہے کہ تعارض کا فیصلہ اپنے ذاتی تاثر سے نہ کرے بلکہ مفسرین و محدثین کی آراء اور سیاق و سباق دیکھ کر کرے، کیونکہ بسا اوقات تعارض محض سمجھ کی کمی سے پیدا ہوتا ہے اور تھوڑی سی توجہ سے دور ہو جاتا ہے۔

دوسرا معیار: ثابت سنت اور مشہور روایات سے ہم آہنگی

دوسرا بڑا درایتی معیار یہ ہے کہ روایت کو ثابت شدہ سنت اور امت میں مستند و معروف احادیث کے مجموعے سے ملا کر دیکھا جائے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور آپ کے معمولات کا ایک عمومی مزاج ہے جو سیکڑوں مستند روایات سے بنتا ہے۔ اگر کوئی نہ روایت اس عمومی مزاج کے سراسر خلاف کوئی بات پیش کرے، مثلاً آپ کی ذات کے بارے میں ایسی بات کہے جو آپ کی شانِ نبوت اور مستند سیرت سے بالکل اجنبی ہو، تو وہ درایت کی رو سے مشکوک ہو جاتی ہے۔ اسی اصول کو محدثین نے اس انداز میں بھی بیان کیا ہے کہ روایت اپنے سے زیادہ قوی روایات کے خلاف نہ ہو؛ کیونکہ قوی تر دلیل موجود ہونے کی صورت میں کمزور بات کو ترجیح دینا علمی اصولوں کے خلاف ہے۔ اس معیار کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ روایت امت کے متواتر عملی تواتر، مثلاً نماز، روزے اور حج کے مسلمہ طریقوں سے متصادم نہ ہو۔ عملی تواتر صدیوں سے نسل در نسل منتقل ہوتا چلا آیا ہے، اس لیے اس کے خلاف جانے والی منفرد روایت کو قبول کرنے سے پہلے بہت گہری جانچ ضروری ہے۔ البتہ یہاں بھی توازن شرط ہے: ہر وہ روایت جو ہمارے مزاج کے خلاف ہو اسے رد کر دینا درست نہیں، بلکہ خلاف ہونے کا مطلب ایسا قطعی تصادم ہے جس کی کوئی تاویلِ معقول ممکن نہ رہے۔

تیسرا معیار: عقلِ سلیم اور مسلمہ حقائق سے عدمِ تصادم

تیسرا معیار عقلِ سلیم ہے۔ اسلام نے عقل کو کبھی رد نہیں کیا؛ قرآن بار بار غور و فکر اور تدبر کی دعوت دیتا ہے۔ درایت کا تقاضا ہے کہ روایت کا متن ایسے دعووں پر مشتمل نہ ہو جو بدیہی عقل اور نا قابلِ انکار حقائق سے ٹکراتے ہوں، مثلاً ایک ہی واقعے کے بارے میں بیک وقت دو متضاد باتیں، زمانی و مکانی اعتبار سے ناممکن ترتیب، یا اعداد و شمار کی ایسی بے ترتیبی جو کسی صورت درست نہ ہو سکے۔ اسی طرح وہ روایات جن میں معمولی عمل پر بے حد و حساب ثواب یا معمولی لغزش پر غیر معمولی سزا کا وعدہ اس انداز میں بیان ہو کہ شریعت کے عمومی مزاج، انصاف اور تدریج سے بالکل الگ نظر آئے، محدثین کے نزدیک درایت کے اسی معیار پر پرکھی جاتی ہیں؛ کیونکہ اللہ کے ثواب و عذاب کا نظام حکمت

اور عدل پر مبنی ہے، مبالغہ آمیز بے ترتیبی اس کا مزاج نہیں۔ یہاں یہ واضح کرنا بھی ضروری ہے کہ عقل سے مراد ذاتی پسند یا جدید ذہن کا ہر تاثر نہیں، بلکہ وہ مسلمہ عقلی اصول ہیں جن میں اہلِ علم کا اختلاف نہیں ہوتا۔ اسی طرح معجزات اور غیب کی خبریں اس معیار سے مستثنیٰ ہیں، کیونکہ وہ عقل کے خلاف نہیں بلکہ عقل کی رسائی سے باہر ہیں؛ درایت ان کو نہیں، ان باتوں کو روکتی ہے جو عقل و مشاہدے کی قطعی سچائیوں سے صریحاً ٹکراتی ہوں۔ یہ باریک فرق سمجھے بغیر درایت کا غلط استعمال بھی ہو سکتا ہے اور ناجائز روایات کی تائید بھی، اس لیے محقق کو دونوں انتہاؤں سے بچنا چاہیے۔

چوتھا معیار: تاریخ، اسبابِ نزول اور زبان و اسلوب کی کسوٹی

درایت کے معیارات میں تاریخی اور لسانی جانچ کو بھی بنیادی مقام حاصل ہے۔ تاریخی لحاظ سے دیکھا جاتا ہے کہ روایت میں بیان کردہ واقعہ اپنے زمان و مکان کے ثابت شدہ حقائق سے میل کھاتا ہے یا نہیں: جن شخصیات کا ذکر ہے وہ اس وقت موجود بھی تھیں یا نہیں، جس جنگ، سفر یا مجلس کا حوالہ ہے وہ تاریخ میں اسی ترتیب سے واقع بھی ہوئی یا نہیں، اور جن مکانات و رسوم کا ذکر ہے وہ اس دور میں پائے بھی جاتے تھے یا نہیں۔ بہت سی موضوع روایات اسی تاریخی جانچ میں پکڑی جاتی ہیں، کیونکہ جعل ساز بعد کے دور کی باتیں پہلے دور کے والی بنا کر پیش کر دیتا ہے۔ لسانی لحاظ سے متن کی زبان، الفاظ کا استعمال اور اسلوب بھی کسوٹی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسلوب فصیح، جامع اور بلیغ تھا؛ اس لیے رکاکتِ لفظی، بے ربط جملے اور کسی خاص علاقے یا بعد کے زمانے کی اصطلاحات کا متن میں شامل ہونا درایت کی نظر میں شبہے کی علامت ہے۔ اسی طرح قرآن کی آیات یا حدیث کے الفاظ کے ساتھ بعد کی فقہی اصطلاحات کی آمیزش بھی محقق کو خبردار کرتی ہے کہ متن میں اضافہ ہو چکا ہے۔ تفسیر کے میدان میں اس معیار کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے، کیونکہ اسرائیلی روایات اور قصص میں سے بہت سا مواد اسی لسانی و تاریخی جانچ سے الگ کیا گیا ہے۔ محقق جب اسبابِ نزول، مکی و مدنی ترتیب اور سیرت کے تسلسل کو سامنے رکھ کر متن پڑھتا ہے تو روایت کی پرکھ اس کے لیے کہیں آسان اور قابلِ اعتماد ہو جاتی ہے۔

جدول 1: قبولِ روایت کے درایتی معیارات کا خلاصہ

معیار	جانچ کا نکتہ	نتیجہ اگر تعارض ثابت ہو

تطبیق نہ ہو سکے تو روایت قابلِ قبول نہیں	متن محکم آیات کے مفہوم سے ٹکراتا ہے یا نہیں	قرآن سے مطابقت
شذوذ و نکارت کی بنیاد پر رد یا توقف	متن سیرت و سنت کے عمومی مزاج سے میل کھاتا ہے یا نہیں	ثابت سنت سے ہم آہنگی
صریح تصادم پر روایت مردود، غیب و معجزہ مستثنیٰ	متن بدیہی عقل و مسلمہ حقائق کے خلاف تو نہیں	عقلِ سلیم
تاریخی غلطی پر متن مشکوک قرار پاتا ہے	زمان، مکان، اشخاص و واقعات کی تصدیق ہوتی ہے یا نہیں	تاریخی جانچ
رکاکت و بعد کی اصطلاحات اضافے کی علامت	الفاظ و انداز دورِ نبوی کے اسلوب سے مطابقت رکھتے ہیں یا نہیں	زبان و اسلوب

درایتی معیارات کی اہمیت اور احتیاطی پہلو

ان معیارات کی مجموعی اہمیت یہ ہے کہ انہوں نے اسلامی علوم کو اندھی تقلید اور بے اصول قبولیت سے بچا کر ایک مکمل تنقیدی نظام دیا۔ دنیا کی قدیم تہذیبوں میں خبر کی جانچ کا ایسا متوازی نظام کم ہی ملتا ہے جہاں سند کے ساتھ متن پر بھی اتنی باریک بینی سے غور کیا گیا ہو۔ درایت کی بدولت امت موضوع روایات، اسرائیلی قصص اور سیاسی و فرقہ وارانہ جعل سازیوں کی بڑی حد تک نشان دہی کر سکی اور دین کا اصل سرچشمہ محفوظ رہا۔ تاہم ان معیارات کے اطلاق میں تین احتیاطیں ناگزیر ہیں۔ پہلی یہ کہ درایت کا حق ہر شخص کو حاصل نہیں؛ اس کے لیے قرآن و سنت کا وسیع مطالعہ، عربی زبان پر عبور اور محدثین کے اصولوں کی واقفیت ضروری ہے، ورنہ ذاتی رائے درایت کا نام لے لیتی ہے۔ دوسری یہ کہ درایت کا مقصد روایات کو کم سے کم کرنا نہیں بلکہ صحیح و سقیم کو الگ کرنا ہے؛ جو روایت تمام کسوٹیوں پر پوری اترے اسے پوری قوت سے قبول کرنا بھی درایت ہی کا تقاضا ہے۔

تیسری یہ کہ درایتی فیصلوں میں حتمیت کا دعویٰ کم ہی کرنا چاہیے، کیونکہ بہت سے مقامات پر اہلِ علم کے درمیان تطبیق و ترجیح میں اختلاف رہا ہے؛ محقق کو دوسرے کی رائے کا احترام اور اپنی رائے میں لچک رکھنی چاہیے۔ یہی متوازن رویہ طالب علم کو اصیل محدثین کے منہج کے قریب رکھتا ہے۔

اختتام

خلاصہ یہ ہے کہ قبولِ روایت کے درایتی معیارات وہ علمی کسوٹیاں ہیں جن پر متنِ روایت کو پرکھ کر اس کی قبولیت یا رد و قبول کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ ان میں قرآن مجید سے مطابقت سب سے بلند معیار ہے، اس کے بعد ثابت سنت و سیرت سے ہم آہنگی، عقلِ سلیم و مسلّمہ حقائق سے عدمِ تصادم، تاریخی حقائق کی تصدیق اور زبان و اسلوب کی جانچ اہم ترین اصول ہیں۔ سند اور درایت مل کر ہی روایت کی مکمل جانچ بنتے ہیں؛ سند کے بغیر درایت بے بنیاد رائے بن سکتی ہے اور درایت کے بغیر سند اندھا اعتماد بن سکتی ہے۔ بی ایس کے طالب علم کے لیے سبق یہ ہے کہ وہ کسی بھی روایت کو نقل کرنے سے پہلے اس کے متن پر ان پانچ کسوٹیوں کی روشنی میں ضرور غور کرے اور جہاں شبہا ہو وہاں اہلِ علم و معتبر شروح سے رجوع کرے، تاکہ اس کی تحقیق علمی امانت کے تقاضوں کو پورا کرے۔

سوال نمبر 2 (20 نمبر)

سوال: تحقیق کے مقاصد اور اقسام تحریر کیجیے۔

تعارف

تحقیق انسانی علم کی ترقی کا سب سے منظم ذریعہ ہے۔ لغت میں تحقیق کے معنی ہیں کسی چیز کی اصل حقیقت تک پہنچنا، اسے ثابت کرنا اور شبہات دور کر کے یقین کی منزل حاصل کرنا۔ اصطلاح میں تحقیق وہ منظم اور سائنسی کوشش ہے جس میں محقق کسی مسئلے کے بارے میں معتبر ذرائع سے مواد جمع کرتا ہے، اسے پرکھتا ہے، ترتیب دیتا ہے اور اصولوں کی روشنی میں ایسے نتائج اخذ کرتا ہے جو قابلِ اعتماد ہوں۔ ہر تحقیق کسی نہ کسی مقصد کے تحت کی جاتی ہے؛ بغیر مقصد کے کی جانے والی کوشش محض معلومات کا انبار ہوتی ہے، تحقیق

نہیں۔ اسی طرح تحقیق کی اقسام بھی کئی اعتبار سے تقسیم ہوتی ہیں: کبھی مقصد کی بنیاد پر، کبھی طریقہ کار کی بنیاد پر اور کبھی مواد کی نوعیت کی بنیاد پر۔ اس جواب میں پہلے تحقیق کے اہم مقاصد تفصیل سے بیان کیے جائیں گے اور پھر اس کی معروف اقسام کی وضاحت کی جائے گی، تاکہ طالب علم کسی بھی تحقیقی کام کو شروع کرنے سے پہلے یہ طے کر سکے کہ وہ تحقیق کیوں کر رہا ہے اور اس کا کام کس قسم سے تعلق رکھتا ہے۔ اسلامی تناظر میں تحقیق کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے، کیونکہ دینی علوم میں تحقیق کا مقصد محض علمی مشغلہ نہیں بلکہ دین کی صحیح فہم، اس کی حفاظت اور امت کی رہنمائی جیسا عظیم فریضہ بھی ہے۔

تحقیق کے مقاصد: حقائق کی دریافت اور علم میں اضافہ

تحقیق کا سب سے پہلا اور بنیادی مقصد نامعلوم حقائق کی دریافت اور موجودہ علم میں اضافہ ہے۔ انسان کے سامنے بے شمار سوالات ایسے ہوتے ہیں جن کے جوابات موجودہ کتابوں میں نہیں ملتے؛ کبھی کسی مخطوطے کا اصل متن درکار ہوتا ہے، کبھی کسی تاریخی واقعے کی صحیح ترتیب معلوم کرنا ہوتی ہے، اور کبھی کسی آیت یا حدیث کے مفہوم میں پیدا ہونے والے اشکال کا حل تلاش کرنا ہوتا ہے۔ محقق انہی خالی جگہوں کو پر کرتا ہے۔ اس مقصد کو پورا کرنے والا محقق میدان میں نیا اضافہ کرتا ہے، اس لیے علمی دنیا میں ایسی تحقیق کو سب سے قیمتی سمجھا جاتا ہے۔ دوسرا بڑا مقصد موجودہ نظریات اور معلومات کی تصدیق یا تردید ہے۔ علم جامد نہیں ہوتا؛ جو بات کل درست سمجھی جاتی تھی اس کی غلطی نئے شواہد سے ثابت ہو سکتی ہے، اور جس بات پر شبہا ہو اس کی تصدیق مضبوط دلائل سے ہو سکتی ہے۔ تحقیق اس عمل کو ذاتی پسند ناپسند سے نکال کر شواہد کی بنیاد پر قائم کرتی ہے۔ تیسرا مقصد عملی مسائل کا حل ہے: معاشرے، تعلیم، معیشت اور دینی رہنمائی کے میدان میں نت نئے مسائل پیدا ہوتے رہتے ہیں اور تحقیق ان کے ایسے حل پیش کرتی ہے جو تجربے اور دلیل پر مبنی ہوں، محض قیاس پر نہیں۔ چوتھا مقصد مستقبل کی پیش بندی ہے؛ ماضی و حال کے منظم مطالعے سے رجحانات کا اندازہ ہوتا ہے اور ادارے و افراد اپنی منصوبہ بندی بہتر بنا سکتے ہیں۔ پانچواں مقصد خالص فہم و تشریح بھی ہو سکتا ہے، یعنی کسی متن، فکر یا واقعے کو اتنی گہرائی سے سمجھنا کہ اس کی اصل روح واضح ہو جائے۔ یوں تحقیق کے مقاصد محض ڈگری یا ملازمت تک محدود نہیں، بلکہ علمی سچائی کی تلاش، مسائل کا حل اور معاشرے کی بہتری تک پھیلے ہوئے ہیں۔

اسلامی تحقیق کے مخصوص مقاصد

علومِ اسلامیہ میں تحقیق کے چند مخصوص مقاصد بھی ہیں جن کا ذکر اس کورس کے طالب علم کے لیے ضروری ہے۔ پہلا مقصد قرآن و سنت کی صحیح فہم تک رسائی ہے، تاکہ احکام و عقائد کو اصل ماخذ کی روشنی میں سمجھا جائے، رسم و روا[illegible] بے بنیاد روایات کی آمیزش سے الگ رکھا جائے۔ دوسرا مقصد دینی تراث کی حفاظت اور احیا ہے: قدیم کتب و مخطوطات کی تحقیق و ترمیم، غلط نسخوں کی اصلاح اور نایاب علمی [illegible] کر صحیح صورت میں محفوظ کر کے آئندہ نسلوں تک پہنچانا اسی کا حصہ ہے۔ تیسرا مقصد اعتراضات و اشکالات کا علمی جواب ہے؛ ہر دور میں دین پر اٹھنے والے سوالات کے مدلل جوابات تحقیق ہی کے ذریعے دیے جاتے ہیں۔ چوتھا مقصد عصری مسائل کا شرعی و علمی حل پیش کرنا بھی تحقیق کا فریضہ ہے، جہاں اصول قدیم ہوں مگر اطلاق نئے حالات پر ہو۔ پانچواں مقصد انفرادی تربیت ہے: تحقیق طالب علم میں غور و فکر، صبر، دیانت اور تنقیدی شعور پیدا کرتی ہے، اس لیے BS پروگرام میں تحقیقی پروجیکٹ کو نصاب کا حصہ بنایا گیا ہے۔ ان مقاصد سے واضح ہوتا ہے کہ اسلامی تحقیق میں نیت اور غرض عام دنیاوی تحقیق سے کسی حد تک ممتاز بھی ہے؛ یہاں علم کی طلب عبادت کے مفہوم سے بھی جڑی ہوئی ہے۔

تحقیق کی اقسام: مقصد اور طریقے کے اعتبار سے

تحقیق کی اقسام کو سمجھنے کے لیے کئی تقسیمیں رائج ہیں۔ مقصد کے اعتبار سے تحقیق کی دو بڑی قسمیں ہیں: بنیادی تحقیق اور اطلاقی تحقیق۔ بنیادی تحقیق کا مقصد خالص علم کا اضافہ اور اصول و نظریات کی تشکیل ہوتا ہے؛ اس کا فوری عملی فائدہ سامنے نہ بھی ہو تو وہ آئندہ تحقیق کی بنیاد بنتی ہے، مثلاً کسی علمی اصطلاح کی اصل یا کسی تاریخی مسئلے کی تعیین۔ اطلاقی تحقیق کسی مخصوص عملی مسئلے کے حل کے لیے کی جاتی ہے؛ مثلاً کسی تعلیمی دشواری یا معاشرتی مسئلے کے اسباب و حل کی جستجو۔ طریقہ کار کے اعتبار سے تین قسمیں مشہور ہیں: تاریخی تحقیق، جس میں ماضی کے واقعات و مآخذ کو پرکھ کر حقیقت تک پہنچا جاتا ہے؛ وصفی یا وصفی تحقیق، جس میں کسی موجودہ صورتِ حال کو جوں کا توں بیان و تجزیہ کیا جاتا ہے؛ اور تجزیاتی و تنقیدی تحقیق، جس میں مواد کا گہرا جائزہ لے کر اس کے اجزا، علل اور نتائج کو الگ الگ پرکھا جاتا ہے۔ مواد کی نوعیت کے اعتبار سے تحقیق معیاری بھی ہوتی ہے اور مقداری بھی: معیاری تحقیق میں مفاہیم، اقدار اور متون کی تشریح مرکزی ہوتی ہے جبکہ مقداری تحقیق میں اعداد و شمار اور پیمائش سے نتائج اخذ کیے جاتے ہیں۔

اسلامی علوم کی بیشتر تحقیق معیاری اور کتابخانوی نوعیت کی ہوتی ہے، جبکہ سماجی علوم میں مقداری و میدانی دونوں انداز رائج ہیں۔ ذیل کا خاکہ ان تقسیموں کو ایک نظر میں پیش کرتا ہے۔

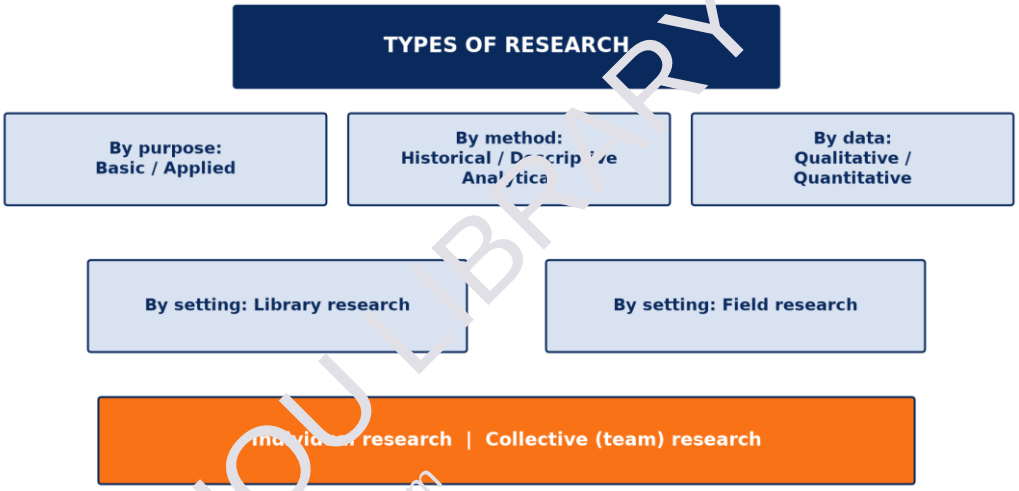

Figure 1: Main classifications of research (Assignment No. 1)

خاکہ 1: تحقیق کی اہم تقسیمیں (نام انگریزی رسم الخط میں صرف خاکے کی تکنیکی ضرورت کے تحت لکھے گئے ہیں)

ماحول اور شرکت کے اعتبار سے اقسام؛ جدولِ خلاصہ

ایک اور تقسیم ماحول کے اعتبار سے ہے: کتابخانوی تحقیق اور میدانی تحقیق۔ کتابخانوی تحقیق میں محقق کتب، مخطوطات، دستاویزات اور لائبریریوں و ڈیجیٹل ذرائع سے مواد لیتا ہے؛ دینی و ادبی موضوعات کی تحقیق عموماً اسی قسم سے تعلق رکھتی ہے۔ میدانی تحقیق میں محقق خود میدان میں جا کر مشاہدے، انٹرویو اور سوالنامے کے ذریعے زندہ مواد جمع کرتا ہے؛ یہ انداز سماجی و تعلیمی تحقیق میں عام ہے۔ شرکت کے اعتبار سے تحقیق انفرادی بھی ہو سکتی ہے اور اجتماعی بھی۔ انفرادی تحقیق میں ایک ہی محقق پورا کام کرتا ہے؛ مقالات اور تحقیقی پروجیکٹ عموماً اسی نوعیت کے ہوتے ہیں۔ اجتماعی تحقیق میں محققین کی ایک ٹیم بڑے موضوع کو اجزا میں تقسیم کر کے مل کر کام کرتی ہے، جیسے انسائیکلوپیڈیا یا بڑے تحقیقی منصوبے۔ اسی طرح وقت کے اعتبار سے بعض تحقیق مختصر المدت ہوتی ہے اور بعض طویل المدت، جیسے کئی برس پر پھیلی ہوئی کسی بڑے متن کی ترمیم و تحقیق۔

ان تمام اقسام میں سے کسی ایک کو منتخب کرنا محقق کا ذاتی شوق نہیں بلکہ موضوع کی نوعیت فیصلہ کرتی ہے: تاریخی موضوع تاریخی تحقیق مانگتا ہے، زندہ معاشرتی مسئلہ میدانی تحقیق، اور متنی مسئلہ کتابخانوی تحقیق۔ غلط قسم کا انتخاب تحقیق کو کمزور بنا دیتا ہے، اس لیے طالب علم کو پروجیکٹ کے آغاز میں ہی اپنے موضوع کی نوعیت کے مطابق قسم کا تعین کر لینا چاہیے۔

جدول 1: تحقیق کی اقسام کا خلاصہ

مختصر وضاحت	اقسام	تقسیم کی بنیاد
خالص علم و اصول کی تلاش، فوری فائدہ شرط نہیں	بنیادی تحقیق	مقصد
کسی عملی مسئلے کے حل کے لیے مخصوص تحقیق	اطلاقی تحقیق	مقصد
ماضی کے مآخذ پر کھ کر حقیقت کی تعمیر نو	تاریخی تحقیق	طریقہ کار
موجودہ صورتِ حال کی وضاحت اور اجزا کا تجزیہ	وصفی و تجزیاتی تحقیق	طریقہ کار
مفاہیم و متون کی تشریح / اعداد و شمار سے نتائج	معیاری / مقداری	مواد کی نوعیت
کتب و دستاویزات سے مواد / میدان سے زندہ مواد	کتابخانوی / میدانی	ماحول
ایک محقق کا کام / ٹیم کا مشترکہ منصوبہ	انفرادی / اجتماعی	شرکت

اختتام

خلاصہ یہ ہے کہ تحقیق کے مقاصد میں حقائق کی دریافت، علم میں اضافہ، نظریات کی تصدیق و تردید، عملی مسائل کا حل، مستقبل کی منصوبہ بندی اور متون کی گہری فہم شامل ہیں، جبکہ اسلامی تحقیق میں قرآن و سنت کی صحیح فہم، تراث کی حفاظت، اشکالات کا جواب اور عصری مسائل کا حل جیسے مخصوص مقاصد بھی نمایاں ہیں۔ اقسام کے اعتبار سے

تحقیق بنیادی واطلاقی، تاریخی ووصفی وتجزیاتی، معیاری ومقداری، کتابخانوی ومیدانی اور انفرادی واجتماعی صورتوں میں تقسیم ہوتی ہے۔ محقق کی کامیابی کا پہلا قدم یہی ہے کہ وہ اپنے مقصد کو واضح کرے اور موضوع کی نوعیت کے مطابق تحقیق کی درست قسم کا انتخاب کرے؛ کیونکہ مقصد کی وضاحت سمت دیتی ہے اور قسم کا درست انتخاب طریقہ کار کو درست بنیاد فراہم کرتا ہے۔

سوال نمبر3 (20نمبر)

سوال: خصائصِ تحقیق پر جامع اور مفصل نوٹ لکھیے۔

تعارف

ہر علمی سرگرمی کو تحقیق نہیں کہا جا سکتا۔ کتابیں پڑھنا، معلومات جمع کرنا یا کسی موضوع پر مضمون لکھنا اپنی جگہ مفید کام ہیں، مگر تحقیق ان سے آگے کی منزل ہے۔ تحقیق کی پہچان اس کے مخصوص خصائص سے ہوتی ہے؛ یہ اوصاف جب کسی کام میں موجود ہوں تو اسے تحقیق کہا جاتا ہے اور جب ان میں کمی ہو تو وہ کام معمولی تحریر یا معلومات کا مجموعہ بن کر رہ جاتا ہے۔ خصائصِ تحقیق سے مراد وہ بنیادی صفات ہیں جو اچھی اور معیاری تحقیق میں لازمی طور پر پائی جاتی ہیں، مثلاً اس کا سائنسی و منظم ہونا، معروضیت، حقائق پر بنیاد، تصدیق پذیری، تعمیم کی صلاحیت اور اخلاقی دیانت۔ اس نوٹ میں ان خصائص کو جامع اور مفصل انداز میں بیان کیا جائے گا، تاکہ طالب علم اپنے BS تحقیقی پروجیکٹ کو انہی معیاروں پر پرکھ سکے۔ یہ نکتہ بھی پیشِ نظر رہے کہ یہ خصائص محض کتابی فہرست نہیں، بلکہ ہر خصوصیت محقق کے رویے اور طریقہ کار میں نظر آنی چاہیے؛ جس تحقیق میں یہ صفات عملی طور پر جھلکتی ہوں، اہلِ علم اسی کو اعتماد کی نظر سے دیکھتے ہیں۔

منظم و مرحلہ وار ہونا اور سائنسی اسلوب

تحقیق کی پہلی خصوصیت اس کا منظم اور مرحلہ وار ہونا ہے۔ تحقیق بے ترتیبی سے نہیں ہوتی؛ اس میں موضوع کا انتخاب، بنیادی سوال کی تعیین، خاکے کی تیاری، مواد کی جمع آوری، اس کی تنقید و ترتیب، تجزیہ اور نتائج کی تحریر ایک مقررہ ترتیب سے انجام پاتے ہیں۔ جو مرحلہ پہلے کا ہے اسے بعد میں اور جو بعد کا ہے اسے پہلے کر دینے سے پوری عمارت کمزور ہو جاتی ہے؛ مثلاً خاکے سے پہلے تحریر شروع کر دینے سے محقق مواد کے انبار میں الجھ کر رہ جاتا ہے۔ دوسری خصوصیت سائنسی اسلوب ہے، جس سے مراد یہ ہے کہ محقق اپنی رائے کو دلیل اور ثبوت کے بغیر پیش نہیں کرتا؛ ہر دعویٰ ماخذ سے جڑا ہوتا ہے، ترتیبِ مواد کی پرکھ کے بعد اخذ کیا جاتا ہے، اور مخالف دلائل کا بھی دیانت سے جائزہ لیا جاتا ہے۔ سائنسی اسلوب کا یہ بھی تقاضا ہے کہ محقق کے طریقہ کار کو دوسرا محقق دہرا سکے؛ یعنی ذرائع، مراحل اور اصول اتنے واضح ہوں کہ کوئی اور اہلِ شخص انہی راستے سے گزر کر انہی نوعیت کے نتائج تک پہنچ سکے۔ اسلامی تحقیق میں بھی یہی اصول کارفرما ہے؛ محدثین و مفسرین کا منہج اس کی قدیم ترین مثال ہے، جہاں بات بلا دلیل قبول نہیں کی جاتی تھی۔ ان دونوں خصوصیات کا حاصل یہ ہے کہ تحقیق ذاتی تاثرات کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک ایسی شفاف علمی کارروائی ہے جس کے ہر قدم کا حساب دیا جا سکتا ہے۔

معروضیت، غیر جانب داری اور حقائق پر بنیاد

تحقیق کی تیسری بنیادی خصوصیت معروضیت ہے۔ معروضیت سے مراد یہ ہے کہ محقق مواد کو اس کی اصل صورت میں دیکھے اور پیش کرے، اپنی پسند، فرقہ وارانہ وابستگی، ذاتی تعلق یا پیشگی نتائج کی خواہش کو مواد پر مسلط نہ کرے۔ محقق کا کام وکیل بننا نہیں بلکہ منصف بننا ہے؛ اسے وہ شواہد بھی دیانت سے درج کرنے چاہئیں جو اس کے اپنے رجحان کے خلاف جاتے ہوں۔ غیر جانب داری اسی معروضیت کا عملی نام ہے۔ اسلامی اخلاقیات میں اسے امانت و عدل سے تعبیر کیا گیا ہے؛ قرآن نے گواہی میں عدل کی تاکید دشمنی کی حالت میں بھی کی ہے، اور یہی روح تحقیق میں بھی درکار ہے۔ چوتھی خصوصیت تحقیق کا حقائق پر مبنی ہونا ہے۔ تحقیق خیالات، افواہوں اور مشہور ہونے کی بنیاد پر نہیں چلتی؛ اس کا ہر جز کسی نہ کسی قابلِ تصدیق حقیقت سے جڑا ہوتا ہے، خواہ وہ متن ہو، دستاویز ہو، مشاہدہ ہو یا اعداد و شمار۔ جہاں حقیقت تک رسائی ممکن نہ ہو وہاں محقق قیاس کو قیاس ہی کہتا ہے اور اندازے کو یقین بنا کر پیش نہیں کرتا۔ پانچویں خصوصیت تنقیدی شعور ہے؛ اچھی تحقیق مواد کو آنکھ بند کر کے جمع نہیں کرتی بلکہ ہر ماخذ کی ساکھ، ہر دلیل کی قوت اور

ہر نتیجے کی حد کو پرکھتی ہے۔ اسی تنقیدی مزاج نے اسلامی علوم میں سند و متن کی جانچ جیسی بے مثال روایتیں پیدا کیں۔ طالب علم کے لیے عملی سبق یہ ہے کہ وہ اپنے پروجیکٹ میں ہر اہم بات کے ساتھ یہ سوچ لکھنے کی عادت ڈالے کہ یہ بات کس دلیل سے ہے، اس کے خلاف کیا کہا جا سکتا ہے، اور اس کی حد کیا ہے۔ یہی عادت اس کی تحریر کو معیاری تحقیق تک لے جاتی ہے۔

تصدیق پذیری، تعمیم، نظمِ بیان اور اخلاقی دیانت

چھٹی خصوصیت تصدیق پذیری ہے۔ تحقیق میں پیش کی جانے والی ہر اہم معلومات اس طرح حوالے کے ساتھ دی جاتی ہے کہ قاری چاہے تو اصل ماخذ تک پہنچ کر اس کی تصدیق کر سکے۔ جس بات کی تصدیق کا کوئی راستہ نہ ہو، علمی دنیا اسے تحقیق کا حصہ تسلیم کرنے میں تامل کرتی ہے؛ اسی لیے حوالہ جات، کتابیات اور مآخذ کی درستگی خصائصِ تحقیق کا لازمی جز ہے۔ ساتویں خصوصیت تعمیم کی صلاحیت ہے؛ اچھی تحقیق کسی ایک جزئی واقعے پر رک نہیں جاتی بلکہ اس سے وہ عمومی اصول اخذ کرتی ہے جو اسی نوعیت کے دوسرے معاملات پر بھی روشنی ڈالے۔ البتہ تعمیم میں احتیاط شرط ہے؛ محدود مواد سے زیادہ بڑا عمومی دعویٰ کرنا بھی تحقیق کی کمزوری شمار ہوتا ہے۔ آٹھویں خصوصیت نظم و اختصار کے ساتھ جامعیت ہے؛ تحقیق نہ اتنی مختصر ہو کہ بات ادھوری رہ جائے اور نہ اتنی طویل کہ غیر متعلق مواد سے بھر جائے۔ خوش اسلوبی، ابواب و فصول کی معقول ترتیب اور واضح زبان اسی خصوصیت کے عملی مظاہر ہیں۔ نویں اور نہایت اہم خصوصیت اخلاقی دیانت ہے: کسی کے مواد کو اپنا کہہ کر پیش نہ کرنا، حوالے میں کمی بیشی نہ کرنا، نتائج کو توڑ مروڑ کر نہ دکھانا اور جہاں غلطی ہو اسے تسلیم کر لینا اسی دیانت کے تقاضے ہیں۔ جدید علمی دنیا میں سرقہ (plagiarism) کی جو سنگینی بیان کی جاتی ہے، وہ دراصل اسی قدیم اخلاقی اصول کی نئی صورت ہے۔ یہ تمام خصوصیات مل کر تحقیق کو ایک ایسا معیار دیتی ہیں جس پر پورا اترنے والا کام وقت کی آزمائش میں بھی اپنی قدر برقرار رکھتا ہے۔

جدول 1: خصائصِ تحقیق کا خلاصہ

خصوصیت	مفہوم	محقق سے عملی تقاضا
نظم و ترتیب	مراحل کی مقررہ ترتیب	خاکے کے مطابق مرحلہ وار پیش قدمی

ہر دعویٰ ماخذ و برہان کے ساتھ پیش کرنا	دلیل و ثبوت پر بنیاد	سائنسی اسلوب
پسند ناپسند کو مواد پر مسلط نہ کرنا	مواد کو اصل صورت میں دیکھنا	معروضیت
قیاس کو یقین بنا کر پیش نہ کرنا	قابلِ تصدیق شواہد کا استعمال	حقائق پر بنیاد
مخالف دلائل کا دیانت دارانہ جائزہ	مآخذ و دلائل کی پرکھ	تنقیدی شعور
مکمل و درست حوالہ جات دینا	قاری اصل ماخذ تک جا سکے	تصدیق پذیری
غلطی کا اعتراف اور دوسروں کے حق کا اعتراف	امانت، صداقت، عدم سرقہ	اخلاقی دیانت

اختتام

خلاصہ یہ ہے کہ خصائصِ تحقیق وہ معیار ہیں جو ایک عام تحریر کو معیاری تحقیقی کام میں بدل دیتے ہیں۔ منظم و مرحلہ وار ہونا، سائنسی اسلوب، معروضیت و غیر جانب داری، حقائق پر بنیاد، تنقیدی شعور، تصدیق پذیری، محتاط تعمیم، جامعیت کے ساتھ اختصار اور اخلاقی دیانت مل کر اچھی تحقیق کی پہچان بنتے ہیں۔ ان میں سے کسی ایک خصوصیت کی کمی تحقیق کے کسی نہ کسی پہلو کو کمزور کر دیتی ہے: نظم نہ ہو تو کام بکھر جاتا ہے، معروضیت نہ ہو تو تبلیغ بن جاتا ہے، حوالہ و تصدیق نہ ہو تو دعویٰ بے بنیاد رہ جاتا ہے اور دیانت نہ ہو تو سارا علمی سرمایہ مشکوک ہو جاتا ہے۔ لہٰذا طالب علم کو چاہیے کہ وہ اپنے تحقیقی پروجیکٹ کے ہر مرحلے پر خود سے یہ سوال پوچھے کہ کیا اس کا کام ان خصائص پر پورا اترتا ہے؛ یہی خود احتسابی اس کی تحقیق کو معیاری بنانے کا سب سے موثر ذریعہ ہے۔

سوال نمبر 4 (20 نمبر)

سوال: مندرجہ ذیل پر نوٹ لکھیے: 1۔ موضوع کا انتخاب 2۔ عنوانِ موضوع 3۔ سابقہ تحقیقی کام کا جائزہ 4۔ تحقیق کا بنیادی سوال

تعارف

کسی بھی تحقیق کی کامیابی کا بڑا انحصار اس کے ابتدائی مرحلے پر ہوتا ہے۔ اگر آغاز ہی غلط رخ پر ہو تو بعد کی ساری محنت ضائع ہونے کا خطرہ رہتا ہے، اور اگر بنیاد درست رکھ دی جائے تو آدھا کام اسی مرحلے میں آسان ہو جاتا ہے۔ سوال میں دیے گئے چار نکات دراصل تحقیق کے اسی ابتدائی ڈھانچے کے چار ستون ہیں: موضوع کا انتخاب بتاتا ہے کہ محقق کام کس میدان میں کرے گا، عنوانِ موضوع اس کام کو ایک واضح شناخت دیتا ہے، سابقہ تحقیقی کام کا جائزہ یہ طے کرتا ہے کہ اس موضوع پر پہلے کیا ہو چکا ہے اور کیا باقی ہے، اور تحقیق کا بنیادی سوال پوری تحقیق کو سمت اور مرکز فراہم کرتا ہے۔ ان چاروں کی ترتیب بھی بامعنی ہے؛ پہلے میدان منتخب ہوتا ہے، پھر اسے عنوان کی صورت دی جاتی ہے، پھر سابقہ کام دیکھا جاتا ہے اور پھر بنیادی سوال واضح کر کے اصل تحقیق کا آغاز ہوتا ہے۔ اس جواب میں ہر نکتے پر الگ الگ مختصر مگر مفصل نوٹ پیش کیا جائے گا۔ BS کے طالب علم کے لیے یہ چاروں امور اس لیے بھی اہم ہیں کہ اس کا تحقیقی خاکہ (synopsis) عموماً انہی نکات کی بنیاد پر پرکھا اور منظور کیا جاتا ہے۔

نوٹ 1: موضوع کا انتخاب

موضوع کا انتخاب تحقیق کا پہلا اور فیصلہ کن قدم ہے۔ اچھے موضوع کی چند شرائط اہلِ تحقیق نے بیان کی ہیں۔ اول یہ کہ موضوع میں طالب علم کی حقیقی دلچسپی ہو، کیونکہ مہینوں کی محنت اسی دلچسپی کے سہارے چلتی ہے؛ سنی سنائی یا تھوپا ہوا موضوع جلد بوجھ بن جاتا ہے۔ دوم یہ کہ موضوع علمی و عملی اہمیت رکھتا ہو؛ وہ نیا ہو یا پرانے موضوع کا نیا پہلو، اس میں علم میں اضافے یا کسی مسئلے کے حل کی گنجائش موجود ہو۔ سوم یہ کہ موضوع کی حدود قابلِ انتظام ہوں؛ اتنا وسیع نہ ہو کہ طے شدہ وقت و وسائل میں سمیٹا نہ جا سکے اور اتنا تنگ بھی نہ ہو کہ مواد ہی نہ ملے۔ چہارم یہ کہ موضوع کے لیے مآخذ و مواد دستیاب ہوں؛ کتب، مخطوطات، دستاویزات یا میدان تک رسائی ممکن ہو۔ پنجم یہ کہ موضوع طالب علم کی استعداد و درجے کے مطابق ہو؛ BS کی سطح پر ایسا موضوع مناسب نہیں جو بڑی تخصصی مہارت مانگتا ہو۔ انتخاب کے طریقے میں یہ باتیں مدد دیتی ہیں کہ نصابی کتب و سابقہ مقالات کا مطالعہ کیا جائے، اساتذہ و نگران سے مشورہ لیا جائے، اور کئی ممکنہ موضوعات کی فہرست بنا کر ان کا مذکورہ شرائط پر جائزہ لیا جائے۔ دینی موضوعات میں ایک

اضافی احتیاط یہ ہے کہ موضوع متنازعہ مسائل میں الجھانے کے بجائے علمی فہم و تحقیق کی گنجائش رکھتا ہو اور اس کے ذرائع معتبر ہوں۔ درست موضوع آدھی تحقیق کی ضمانت ہوتا ہے، اس لیے اس مرحلے میں جلد بازی کے بجائے مشورہ و مطالعہ پر وقت لگانا دانائی ہے۔

نوٹ 2: عنوانِ موضوع

عنوان موضوع کا وہ مختصر جملہ یا عبارت ہے جو پوری تحقیق کی شناخت بنتا ہے۔ عنوان دیکھ کر قاری کو فوراً اندازہ ہو جانا چاہیے کہ تحقیق کس چیز کے بارے میں ہے اور اس کا دائرہ کیا ہے۔ اچھے عنوان کی خصوصیات یہ ہیں کہ وہ واضح ہو، غیر مبہم ہو، جامع ہو اور جتنا ممکن، مختصر ہو۔ واضح سے مراد یہ ہے کہ عنوان میں مشکل استعاروں اور عام فہم سے دور اصطلاحات کے بجائے سیدھے اور متعارف الفاظ ہوں۔ جامع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ تحقیق کے تمام اہم پہلو عنوان میں کسی نہ کسی صورت جھلکتے ہوں؛ اگر تحقیق کسی خاص دور، علاقے، شخصیت یا متن تک محدود ہے تو اس حد کا ذکر عنوان میں آ جانا چاہیے، ورنہ قاری بڑے دعوے کی توقع کا بیٹھتا ہے۔ اختصار کا تقاضا یہ ہے کہ غیر ضروری الفاظ نکال دیے جائیں، مگر اختصار کے شوق میں ابلاغ قربان نہ ہو۔ عنوان عام طور پر تحقیقی مضمون کی صورت میں لکھا جاتا ہے، سوالیہ نشان عام طور پر گریز کیا جاتا ہے، اور بسا اوقات اصل عنوان کے ساتھ ذیلی عنوان قوسین یا خطِ فاصل کے ذریعے دائرہ مزید واضح کر دیتا ہے۔ یہ بھی مشاہدہ ہے کہ عنوان کی حتمی صورت اکثر تحقیق کے اختتام پر زیادہ بہتر بنتی ہے، کیونکہ کام کے دوران موضوع کی حدود واضح ہوتی جاتی ہیں؛ البتہ خاکے کے مرحلے پر ایک عارضی واضح عنوان ضرور مقرر کر لینا چاہیے تاکہ نگران اور ادارہ موضوع کو درست سمجھ سکے۔ یاد رہے کہ عنوان تحقیق کا چہرہ ہوتا ہے؛ کمزور اور مبہم عنوان قیمتی تحقیق کی بھی قدر گھٹا دیتا ہے۔

نوٹ 3: سابقہ تحقیقی کام کا جائزہ

سابقہ تحقیقی کام کا جائزہ، جسے ادب کا جائزہ یا لٹریچر ریویو بھی کہا جاتا ہے، تحقیق کا وہ مرحلہ ہے جس میں محقق اپنے موضوع پر پہلے سے موجود کتب، مقالات، تحقیقی مجلات اور مقالاتِ جامعہ کا منظم مطالعہ کرتا ہے تاکہ یہ معلوم کر سکے کہ اس موضوع پر کیا کام ہو چکا ہے، کن پہلوؤں پر اتفاق ہے، کہاں اختلاف ہے اور کون سی جگہ ابھی خالی ہے جس پر اس کی تحقیق کام کرے گی۔ اس جائزے کے فوائد کئی ہیں: محقق دہرائی سے بچتا ہے، اسے معتبر مآخذ کی نشاندہی ہو جاتی ہے، سابقہ محققین کے طریقہ کار سے رہنمائی ملتی ہے،

اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس کی اپنی تحقیق کا خلا (research gap) واضح ہو جاتا ہے جس کی بنیاد پر وہ اپنے کام کی اہمیت ثابت کرتا ہے۔ جائزے کا درست طریقہ یہ ہے کہ صرف فہرست نہ بنائی جائے بلکہ ہر اہم کام کا خلاصہ، اس کے نتائج اور اس کی حدود تنقیدی نظر سے پیش کی جائیں، پھر آخر میں مجموعی صورتِ حال کا خلاصہ دیا جائے کہ میدان میں اب کہاں کام کی ضرورت ہے۔ جائزے کے لیے کتب خانوں کی فہرستیں، تحقیقی مجلات، ڈیجیٹل ذخیرے اور اساتذہ کی رہنمائی مفید ذرائع ہیں۔ اسلامی علوم میں اس مرحلے کی اہمیت مزید بڑھ جاتی ہے، کیونکہ قدیم و جدید شارحین و محشین کی تاویل روایت کے بغیر کوئی نیا دعویٰ قابلِ اعتبار نہیں بنتا۔ جو محقق سابقہ کام سے بے خبر ہو کر میدان میں اترتا ہے وہ اکثر وہی باتیں نئے سرے سے ثابت کرنے میں عمر ضائع کر دیتا ہے جو صدیوں پہلے طے ہو چکی ہوتی ہیں۔

نوٹ 4: تحقیق کا بنیادی سوال

تحقیق کا بنیادی سوال اس مرکزی استفسار کو کہتے ہیں جس کا جواب تلاش کرنے کے لیے پوری تحقیق کی جاتی ہے۔ خاکہ اور ابواب اسی سوال کے گرد گھومتے ہیں؛ اگر بنیادی سوال واضح نہ ہو تو تحقیق بے سمتی کا شکار ہو جاتی ہے، مواد جمع ہوتا رہتا ہے مگر نتیجہ کوئی نہیں بنتا۔ بنیادی سوال کی خصوصیات یہ ہیں کہ وہ واضح و متعین ہو، تحقیق کے قابل ہو یعنی اس کے جواب کے لیے ذرائع و شواہد مل سکتے ہوں، اور اتنا محدود ہو کہ مقررہ وقت میں اس کا اطمینان بخش جواب دیا جا سکے۔ مثال کے طور پر محض یہ کہنا کہ ”تفسیر میں اسرائیلی روایات“ ایک موضوع ہے، سوال نہیں؛ سوال اس وقت بنتا ہے جب پوچھا جائے کہ کسی مخصوص مفسر کے یہاں اسرائیلی روایات کس حد تک اور کن اصولوں کے تحت قبول کی گئی ہیں۔ بنیادی سوال کے ساتھ عموماً چند ذیلی سوالات بھی بنائے جاتے ہیں جو اس کے اجزا کو کھولتے ہیں اور انہی ذیلی سوالات کی بنیاد پر مقالے کے ابواب ترتیب پاتے ہیں۔ بسا اوقات بنیادی سوال کے ساتھ ایک عارضی مفروضہ یا ابتدائی اندازہ بھی قائم کیا جاتا ہے جس کی جانچ تحقیق کے دوران ہوتی ہے؛ تاہم متنی و دینی تحقیق میں اکثر سوال ہی کافی ہوتا ہے اور مفروضہ سازی ضروری نہیں رہتی۔ طالب علم کو چاہیے کہ وہ بنیادی سوال کو ایک دو جملوں میں صاف لکھ کر اپنے خاکے کے آغاز میں درج کرے اور تحریر کے ہر مرحلے پر خود کو اسی سوال کی طرف لوٹاتا رہے؛ یہی مرکزیت تحقیق کو منتشر مواد کے مجموعے سے بچا کر ایک مربوط علمی کام بناتی ہے۔

جدول 1: چار بنیادی نکات کا باہمی تعلق

نکتہ	بنیادی سوال جو حل کرتا ہے	اہمیت
موضوع کا انتخاب	کام کس میدان اور کس حد میں ہو گا	غلط انتخاب پوری محنت ضائع کر سکتا ہے
عنوانِ موضوع	تحقیق کی شناخت کیا ہو گی	قاری و نگران کو فوری درست اندازہ ہوتا ہے
سابقہ کام کا جائزہ	پہلے کیا ہو چکا اور کیا باقی ہے	دہرائی سے بچاؤ اور تحقیقی خلا کی نشاندہی
بنیادی سوال	تحقیق سمت و مرکزیت کا جواب تلاش کرے گی	پوری تحقیق کو سمت، مرکز اور ترتیب ملتی ہے

اختتام

خلاصہ یہ ہے کہ موضوع کا انتخاب، عنوانِ موضوع، سابقہ تحقیقی کام کا جائزہ اور تحقیق کا بنیادی سوال، یہ چار نکات کسی بھی تحقیق کا ابتدائی ڈھانچہ بناتے ہیں۔ موضوع دلچسپی، اہمیت، حدود اور مآخذ کی دستیابی کو دیکھ کر منتخب کیا جاتا ہے؛ عنوان واضح، جامع اور مختصر رکھا جاتا ہے؛ سابقہ کام کا جائزہ محقق کو دہرائی سے بچا کر تحقیقی خلا تک پہنچاتا ہے؛ اور بنیادی سوال پوری تحقیق کو سمت و مرکزیت عطا کرتا ہے۔ جو طالب علم خاکے کے مرحلے پر ان چاروں نکات پر سنجیدگی سے وقت لگاتا ہے، اس کے لیے آگے کے مراحل کہیں آسان اور نتیجہ خیز ہو جاتے ہیں، اور جو ان میں کوتاہی کرتا ہے وہ عموماً آخر تک سمت کی الجھن میں رہتا ہے۔

سوال نمبر 5 (20 نمبر)

سوال: بی ایس تحقیقی پروجیکٹ کی تکمیل کے لیے طالب علم کو مطلوب ضروری مراحل تحریر کیجیے۔

تعارف

BS پروگرام میں تحقیقی پروجیکٹ طالب علم کی علمی تربیت کا عملی امتحان ہوتا ہے۔ اس کا مقصد صرف نمبر حاصل کرنا نہیں بلکہ طالب علم کو اس قابل بنانا ہے کہ وہ کسی علمی مسئلے کو اصولِ تحقیق کے مطابق اٹھا سکے، اس کے لیے مواد جمع کر سکے، اسے پرکھ و ترتیب دے کر منظم مقالے کی صورت میں پیش کر سکے۔ پروجیکٹ کی تکمیل کئی مراحل سے گزر کر ہوتی ہے اور ہر مرحلے کی اپنی شرائط و تقاضے ہیں۔ جو طالب علم ان مراحل کو ترتیب سے طے کرتا ہے اس کا کام وقت پر اور معیار کے ساتھ مکمل ہوتا ہے، اور جو ترتیب توڑتا ہے وہ عموماً آخری وقت کی پریشانی اور کمزور معیار کا شکار ہوتا ہے۔ اس جواب میں ہم تحقیقی پروجیکٹ کے ضروری مراحل کو ابتدائی تیاری سے لے کر جمع کرانے اور زبانی امتحان تک مرحلہ وار بیان کیا جائے گا۔ یہ مراحل عام اصولوں کی روشنی میں مرتب کیے گئے ہیں؛ طالب علم کو چاہیے کہ وہ اپنے شعبے و یونیورسٹی کی تازہ ترین ہدایات اور تاریخوں کی تصدیق متعلقہ دفتر و نگران سے بھی ضرور کرے، کیونکہ انتظامی تقاضے ادارے کے ضوابط کے تابع ہوتے ہیں۔

پہلے مراحل: موضوع، نگران اور خاکے کی منظوری

پروجیکٹ کا پہلا مرحلہ موضوع کا انتخاب ہے، جس کے اصول پچھلے سوال میں تفصیل سے آ چکے ہیں: موضوع طالب علم کی دلچسپی، اس کی سطح اور مآخذ کی دستیابی سے ہم آہنگ ہو۔ دوسرا مرحلہ نگران کا تعین و مشورہ ہے؛ نگران استاد اس پورے سفر میں رہنما ہوتا ہے، اس لیے طالب علم کو موضوع کی ابتدائی صورت ہی میں اس سے رابطہ کرنا چاہیے اور اس کی ہدایات کو حتمی رہنمائی سمجھنا چاہیے۔ تیسرا اور انتظامی لحاظ سے سب سے اہم مرحلہ خاکے (synopsis) کی تیاری اور منظوری ہے۔ خاکے میں عام طور پر عنوان، موضوع کا تعارف و اہمیت، سابقہ کام کا مختصر جائزہ، تحقیق کا بنیادی سوال و ذیلی سوالات، طریقہ کار، ابواب کی مجوزہ تقسیم اور ابتدائی کتابیات شامل ہوتی ہیں۔ خاکہ متعلقہ کمیٹی یا شعبے سے منظور ہونے کے بعد ہی اصل کام کا باقاعدہ آغاز شمار ہوتا ہے۔ اس مرحلے پر طالب علم کو دو باتوں کا خاص خیال رکھنا چاہیے: ایک یہ کہ خاکہ حقیقت پسندانہ ہو، ایسے وعدے نہ کیے جائیں جو طے شدہ مدت میں پورے نہ ہو سکیں؛ دوسرا یہ کہ نگران کی تجویز کردہ اصلاحات کو کھلے دل سے قبول کر کے خاکہ درست کیا جائے، کیونکہ یہی اصلاحات آگے کی مشکلات سے بچاتی ہیں۔ منظوری کی تاریخ اور آخری تاریخوں کا ریکارڈ رکھنا بھی طالب علم کی ذمہ داری ہے۔

درمیانی مراحل: حصولِ مواد، نوٹ سازی اور تحریر

خاکے کی منظوری کے بعد چوتھا مرحلہ حصولِ مواد کا ہے، جو اگلی مشق کا تفصیلی موضوع بھی ہے۔ طالب علم کتابیات کی فہرست کو بنیاد بنا کر کتب خانوں، مخطوطات، تحقیقی مجلات اور جدید ڈیجیٹل ذرائع سے مواد جمع کرتا ہے۔ اس مرحلے کی کامیابی کا راز نوٹ سازی کے نظم میں ہے: ہر نکتہ اپنے مکمل حوالے، کتاب، مصنف، صفحہ و طبع کے ساتھ الگ کارڈ یا فائل میں درج ہو، تاکہ تحریر کے وقت حوالہ تلاش کرنے میں وقت ضائع نہ ہو۔ پانچواں مرحلہ مواد کی تنقید و ترتیب ہے؛ جمع شدہ مواد کو ابواب کے مطابق چھانٹا جاتا ہے، کمزور و غیر متعلق مواد الگ کیا جاتا ہے، اور ہر باب کی ذیلی تقسیم طے کی جاتی ہے۔ چھٹا مرحلہ تحریر ہے، جو عموماً باب بہ باب انجام پاتی ہے: ہر باب میں تعارف، متن کی منظم پیشکش، تجزیہ و مذاکرہ اور اختتامی خلاصہ شامل رکھا جائے۔ تحریر میں اسلوب سادہ و واضح ہو، حوالے اصول کے مطابق دیے جائیں، اقتباسات واوین میں اور مکمل حوالے کے ساتھ ہوں، اور ذاتی رائے کو ماخذ کی بات سے الگ پہچانا جا سکے۔ ساتواں مرحلہ تحریر کی نظرِ ثانی و ترمیم ہے؛ مسودہ مکمل کر کے زبان، املا، حوالہ جات اور ترتیب کی غلطیاں دور کی جاتی ہیں، اور بہتر ہے کہ ہر باب نگران کو دکھا کر اس کی آراء شامل کی جائیں۔ ان مراحل میں وقت کی پابندی سب سے بڑی کامیابی ہے۔ جو طالب علم ہفتہ وار ہدف مقرر کر کے چلتا ہے وہ آخری ہفتے کی ہنگامی محنت سے بچ جاتا ہے، جبکہ مواد جمع کر کے رکھ لینا اور تحریر کو آخر تک مؤخر کرنا سب سے عام اور نقصان دہ غلطی ہے۔



Figure 2: Stages of the BS research project (Assignment No. 1, Question 5)

خاکہ 1: بی ایس تحقیقی پروجیکٹ کے مراحل (نام و عنوانات انگریزی رسم الخط میں صرف خاکے کی تکنیکی ضرورت کے تحت لکھے گئے ہیں)

آخری مراحل: تیاری، جمع آوری اور زبانی امتحان

آٹھواں مرحلہ مقالے کی حتمی تیاری ہے، جس میں عنوان، صفحہ، فہرستِ مضامین، تمہید یا تعارف، ابواب، مجموعی نتائج، سفارشات، کتابیات اور ضروری ضمائم کو مقررہ نمونے کے مطابق ترتیب دیا جاتا ہے۔ ٹائپنگ و فارمیٹنگ میں شعبے کی ہدایات، سلائیڈ، صفحے کی حدود، حاشیے اور سطروں کے فاصلے کی پابندی ضروری ہے، کیونکہ شکل و صورت کی بے ترتیبی معیاری مواد کی قدر بھی گھٹا دیتی ہے۔ نواں مرحلہ نگران کی حتمی منظوری اور مقررہ تاریخ تک مقالے کی مطلوبہ تعداد میں نقول جمع کرانا ہے؛ جمع کرانے کی رسید و ریکارڈ محفوظ رکھنا طالب علم کے مفاد میں ہے۔ دسواں اور آخری مرحلہ زبانی امتحان (viva voce) ہے، جس میں طالب علم اپنے کام کا دفاع کرتا ہے: اسے موضوع کے انتخاب کی وجہ، بنیادی سوال، طریقہ کار، اہم نتائج اور اپنے مآخذ سے پوری واقفیت ہونی چاہیے۔ زبانی امتحان کی تیاری کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ طالب علم جمع کرانے کے بعد بھی اپنے مقالے کو دو تین مرتبہ بغور پڑھے اور ممکنہ سوالات کی فہرست بنا کر نگران سے مشورہ کرے۔ یہ بھی یاد رہے کہ پروجیکٹ میں علمی دیانت، یعنی دوسروں کے مواد کو اپنا بنا کر پیش نہ کرنا، ہر مرحلے کی بنیادی شرط ہے؛ خلاف ورزی پر ادارہ کارروائی کا مجاز ہوتا ہے۔ یوں موضوع سے زبانی امتحان تک یہ دس مراحل ایک زنجیر ہیں، اور زنجیر کی مضبوطی اس کی ہر کڑی کی صحت پر منحصر ہے۔

جدول 1: بی ایس تحقیقی پروجیکٹ کے مراحل کا شیڈول نمونہ

مرحلہ	کام	عملی ہدایت
1	موضوع کا انتخاب	دلچسپی، سطح اور مآخذ دیکھ کر منتخب کریں
2	نگران سے مشورہ	ابتدائی مرحلے ہی میں رابطہ و ہدایات نوٹ کریں
3	خاکے کی تیاری و منظوری	سوال، طریقہ کار اور ابواب واضح لکھیں

4	حصولِ مواد و نوٹ سازی	ہر نوٹ مکمل حوالے کے ساتھ درج کریں
5	ترتیب و تحریر	باب بہ باب لکھیں، ہفتہ وار ہدف رکھیں
6	نظر ثانی و نگران کی آراء	زبان، حوالہ اور ترتیب کی اصلاح کریں
7	حتمی تیاری و جمع آوری	فارمیٹ کی پابندی، رسید محفوظ رکھیں
8	زبانی امتحان	مقالہ دوبارہ پڑھیں، ممکنہ سوالات کی تیاری کریں

اختتام

خلاصہ یہ ہے کہ BS تحقیقی پروجیکٹ کی تکمیل کے ضروری مراحل یہ ہیں: موضوع کا درست انتخاب، نگران کی رہنمائی، خاکے کی تیاری و منظوری، منظم حصولِ مواد و نوٹ سازی، مواد کی تنقید و ترتیب، باب وار تحریر، نظر ثانی و ترمیم، حتمی تیاری و فارمیٹنگ، مقررہ تاریخ تک جمع آوری اور آخر میں زبانی امتحان۔ ہر مرحلہ اگلے مرحلے کی بنیاد ہے، اس لیے کسی مرحلے کو چھوڑنا یا ترتیب بگاڑنا پورے کام کو متاثر کرتا ہے۔ طالب علم کے لیے کامیابی کا عملی نسخہ تین چیزوں میں ہے: آغاز وقت پر کرنا، نگران سے مسلسل رابطہ رکھنا، اور ہر مرحلے کا تحریری ریکارڈ و شیڈول بنا کر اس کی پابندی کرنا۔ ان اصولوں پر چلنے والا طالب علم نہ صرف وقت پر پروجیکٹ مکمل کرتا ہے بلکہ اس عمل سے وہ تحقیقی مہارت بھی حاصل کر لیتا ہے جو اس کی آئندہ علمی زندگی کا اصل سرمایہ ہوتی ہے۔